سُورَةُ النَّصر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۝

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ۝ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا۝ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۝

حضرت مسیح کی نسبت یہ گمان کرنا کہ انہوں نے رُوحانی مُردوں کے زندہ کرنے میں قیامت کانمونہ دکھلایا سراسر خیالِ محال اور دعوٰئ بے دلیل ہے بلکہ یہ قیامت کانمونہ روحانی حیات کے بخشنے میں اس ذاتِ کامل الصفات نے دکھایا جس کا نامِ نامی محمّد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ سارا قرآن اوّل سے آخر تک شہادت دے رہا ہے کہ یہ رسول اس وقت بھیجا گیا تھا کہ جب تمام قومیں دُنیا کی رُوح میں مَرچکی تھیں اور فسادِ رُوحانی نے بَرّوبحر کو ہلاک کر دیا تھا تب اس رسول نے آکر نئے سِرے سے دُنیا کو زندہ کیا اور زمین پر توحید کا دریا جاری کر دیا، اگر کوئی منصف فِکر کرے کہ جزیرۂ عرب کے لوگ اوّل کیا تھے اور پھر اس رسول کی پَیروی کے بعد کیا ہو گئے اور کیسی ان کی وحشیانہ حالت اعلیٰ درجہ کی انسانیت تک پہنچ گئی اور کِس صدق وصفا سے انہوں نے اپنے ایمان کو اپنے خونوں کے بہانے سے اور اپنی جانوں کے فدا کرنے اور اپنے عزیزوں کو چھوڑنے اور اپنے مالوں اور عزّتوں اور آراموں کو خدا تعالےٰ کی راہ میں لگانے سے ثابت کر دکھلایا۔ تو بِلاشُبہ ان کی ثابت قدمی اور ان کا صدق اپنے پیارے رسول کی راہ میں ان کی جاں فشانی ایک اعلیٰ درجہ کی کرامت کے رنگ میں اس کو نظر آئے گی۔ وہ پاک نظر ان کے وجودوں پر کچھ ایسا کام کر گئی کہ وہ اپنے آپ سے کھوئے گئے اور انہوں نے فنا فی اللہ ہو کر صدق اور راستبازی کے وہ کام

دکھلائے جس کی نظیر کسی قوم میں ملنا مشکل ہے اور جو کچھ انہوں نے عقائد کے طور پر حاصل کیا تھا وہ یہ تعلیم نہ تھی کہ کسی عاجز انسان کو خدا مانا جائے یا خدا تعالیٰ کو بچّوں کا محتاج ٹھہرایا جائے بلکہ انہوں نے حقیقی خدائے ذوالجلال جو ہمیشہ سے غیر متبدّل اور حیّ وقیّوم اور ابن اور اَبْ ہونے کی حاجات سے مُنزّہ اور موت اور پیدائش سے پاک ہے بذریعہ اپنے رسولِ کریمؐ کے شناخت کر لیا تھا اور وہ لوگ سچ مچ موت کے گڑھے سے نکل کر پاک حیات کے بلند مینار پر کھڑے ہوگئے تھے اور ہر ایک نے ایک تازہ زندگی پالی تھی اور اپنے ایمانوں میں ستاروں کی طرح چمک اُٹھے تھے۔

سو درحقیقت ایک ہی کامل انسان دُنیا میں آیا جس نے ایسے اتم اور اکمل طور پر یہ رُوحانی قیامت دکھلائی اور ایک زمانہ دراز کے مُردوں اور ہزاروں برسوں کے عظیم رمیم کو زندہ کر دکھلایا۔ اس کے آنے سے قبریں کھل گئیں اور بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑ گئی اور اس نے ثابت کر دکھلایا کہ وہی حاشر اور وہی رُوحانی قیامت ہے جس کے قدموں پر ایک عالَم قبروں میں سے نکل آیا اور بشارت وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا تمام جزیرۂ عرب پر اثر انداز ہوگئی اور پھر اس قیامت کا نمونہ صحابہؓ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اُس خداوند قادر قدیر نے جس نے ہر قوم اور ہر زمانہ اور ہر مُلک کے لئے اُس بشیر و نذیر کو مبعوث کیا تھا ہمیشہ کے لئے جاودانی برکتیں اُس کے سچے تابعداروں میں رکھ دیں اور وعدہ کیا کہ وہ نور اور وہ رُوح القدس جو اُس کامل انسان کے صحابہؓ کو دیا گیا تھا آنے والے متّبعین اور صادق الاخلاص لوگوں کو بھی ملے گا۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸)

جب مکّہ آنے والی مدد اور فتح آگئی جس کا وعدہ دیا گیا تھا اور تُو نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج دینِ اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ پس خدا کی حمد اور تسبیح کر یعنی یہ کہہ کہ یہ جو ہوُا وہ مجھ سے نہیں بلکہ اس کے فضل اور کرم اور تائید سے ہے اور الوداعی استغفار کر کیونکہ وہ رحمت کے ساتھ بہت ہی رجوع کرنے والا ہے۔ استغفار کی تعلیم جو نبیوں کو دی جاتی ہے اُس کو عام لوگوں کے گناہ میں داخل کرنا عین حماقت ہے بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ لفظ اپنی نیستی اور تذلّل اور کمزوری کا اِقرار اور مدد طلب کرنے کا متواضعانہ طریق ہے جو کہ اِس سُورت میں فرمایا گیا ہے کہ جس کام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے وہ پورا ہوگیا یعنی یہ کہ ہزارہا لوگوں نے دینِ اسلام قبول کر لیا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف بھی اشارہ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک برس کے اندر فوت ہوگئے۔ پس ضرور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِس آیت کے نزول سے جیسا کہ خوش ہوئے تھے غمگین بھی ہوں کیونکہ باغ تو لگایا گیا مگر ہمیشہ کی آب پاشی کا کیا اِنتظام ہوُا سو خدا تعالیٰ نے اِسی غم کے دُور کرنے کے لئے استغفار کا حکم دیا کیونکہ لُغت میں مغفرت ایسے ڈھانکنے کو کہتے ہیں جس سے اِنسان آفات سے

محفوظ رہے۔ اِسی وجہ سے مِغفَر جو خود کے معنی رکھتا ہے اِسی میں سے نکالا گیا ہے اور مغفرت مانگنے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ جس بَلا کا خوف ہے یا جس گنہ کا اندیشہ ہے خدا تعالیٰ اس بَلا یا اس گنہ کو ظاہر ہونے سے روک دے اور ڈھانکے رکھے۔ سو اس استغفار کے ضمن میں یہ وعدہ دیا گیا کہ اِس دین کے لئے غم مت کھا خدا تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرے گا اور ہمیشہ رحمت کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتا رہے گا اور ان بَلاؤں کو روک دے گا جو کِسی ضعف کے وقت عائدِ حال ہو سکتی ہیں۔

اکثر نادان عیسائی مغفرت کی سچی حقیقت نہ دریافت کرنے کی وجہ سے یہ خیال کر لیتے ہیں کہ جو شخص مغفرت مانگے وہ فاسق اور گنہ گار ہوتا ہے مگر مغفرت کے لفظ پر خوب غور کرنے کے بعد صاف طور پر سمجھ آجاتا ہے کہ فاسق اور بدکار وہی ہے جو خدا تعالیٰ سے مغفرت نہیں مانگتا کیونکہ جبکہ ہر یک پاکیزگی اُسی کی طرف سے ملتی ہے اور وہی نفسانی جذبات کے طوفانوں سے محفوظ اور معصوم رکھتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ کے راستباز بندوں کا ہر یک طرفۃ العین میں یہی کام ہونا چاہیئے کہ وہ اس حافظ اور عاصمِ حقیقی سے مغفرت مانگا کریں۔ اگر ہم جسمانی عالم میں مغفرت کا کوئی نمونہ تلاش کریں تو ہمیں اس سے بڑھ کر اَور کوئی مثال نہیں مِل سکتی کہ مغفرت اُس مضبوط اور ناقابل بند کی طرح ہے جو ایک طوفان اور سَیلاب کے روکنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ پس چونکہ تمام زور تمام طاقتیں خدا تعالیٰ کیلئے مسلّم ہیں اور انسان جیسا کہ جسم کے رُو سے کمزور ہے رُوح کے رُو سے بھی ناتوان ہے اور اپنے شجرۂ پیدائش کے لئے ہر یک وقت اُس لازوال ہستی سے آب پاشی چاہتا ہے جس کے فیض کے بغیر یہ جی ہی نہیں سکتا اِس لئے استغفار مذکورہ معانی کے رُو سے اس کے لازمِ حال پڑا ہے اور جیسا کہ چاروں طرف درخت اپنی ٹہنیاں چھوڑتا ہے گویا اِرد گرد کے چشمہ کی طرف اپنے ہاتھوں کو پھیلاتا ہے کہ اے چشمہ میری مدد کر اور میری سرسبزی میں کمی نہ ہونے دے اور میرے پھلوں کا وقت ضائع ہونے سے بچا یہی حال راستبازوں کا ہے۔ رُوحانی سرسبزی کے محفوظ اور سلامت رہنے کے لئے یا اُس سرسبزی کی ترقیات کی غرض سے حقیقی زندگی کے چشمہ سے سلامتی کا پانی مانگنا یہی وہ امر ہے جس کو قرآن کریم دوسرے لفظوں میں استغفار کے نام سے موسُوم کرتا ہے۔ قرآن کو سوچو اور غور سے پڑھو۔ استغفار کی اعلیٰ حقیقت پاؤ گے اور ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ مغفرت لُغت کی رُو سے ایسے ڈھانکنے کو کہتے ہیں جس سے کسی آفت سے بچانا مقصود ہے مثلاً پانی درختوں کے حق میں ایک مغفرت کرنے والا عنصر ہے یعنی اُنکے عیبوں کو ڈھانکتا ہے۔ یہ بات سوچ لو کہ اگر کسی باغ کو برس دو برس بالکل پانی نہ ملے تو اس کی کیا شکل نکل آئے گی کیا یہ سچ نہیں کہ اس کی خوبصورتی بالکل دُور ہو جائے گی اور سرسبزی اور خوش نمائی کا نام و نشان نہیں رہے گا اور وہ وقت پر کبھی پھل نہیں لائے گا اور اندر ہی اندر جل جائے گا اور پھول بھی نہیں آئیں گے بلکہ اس کے سرسبز اور نرم نرم لہلہاتے ہوئے پتے چند روز میں ہی خشک ہو کر گر جائیں گے اور خشکی غالب ہو کر مجذوم کی طرح آہستہ آہستہ

اُس کے تمام اعضاء گرنے شروع ہو جائیں گے یہ تمام بلائیں کیوں اس پر نازل ہوں گی؟ اس وجہ سے کہ وہ پانی جو اس کی زندگی کا مدار تھا اُس نے اس کو سیراب نہیں کیا اِسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے

كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ[1]

یعنی پاک کلمہ پاک درخت کی مانند ہے پس جیسا کہ کوئی عمدہ اور شریف درخت بغیر پانی کے نشوونما نہیں کر سکتا اسی طرح راستباز انسان کے کلماتِ طیبہ جو اس کے مُنہ سے نکلتے ہیں اپنی پوری سرسبزی دکھلا نہیں سکتے اور نہ نشوونما کر سکتے ہیں جب تک وہ پاک چشمہ ان کی جڑوں کو استغفار کے نالے میں بہہ کر تر نہ کرے۔ سو انسان کی روحانی زندگی استغفار سے ہے جس کے نالے میں ہو کر حقیقی چشمہ انسانیت کی جڑھوں تک پہنچتا ہے اور خشک ہونے اور مرنے سے بچالیتا ہے جس مذہب میں اِس فلسفہ کا ذکر نہیں وہ مذہب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہرگز نہیں۔ اور جس شخص نے نبی یا رسول یا راستباز یا پاک فطرت کہلا کر اس چشمہ سے مُنہ پھیرا ہے وہ ہرگز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور ایسا آدمی خدا تعالیٰ سے نہیں بلکہ شیطان سے نکلا ہے کیونکہ شَیط مَرنے کو کہتے ہیں پس جس نے اپنے رُوحانی باغ کو سرسبز کرنے کے لئے اُس حقیقی چشمہ کو اپنی طرف کھینچنا نہیں چاہا اور استغفار کے نالے کو اُس چشمہ سے لبالب نہیں کیا وہ شیطان ہے یعنی مَرنے والا ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ کوئی سرسبز درخت بغیر پانی کے زندہ رہ سکے۔ ہر یک متکبر جو اُس زندگی کے چشمہ سے اپنے رُوحانی درخت کو سرسبز کرنا نہیں چاہتا وہ شیطان ہے اور شیطان کی طرح ہلاک ہوگا۔ کوئی راستباز نبی دُنیا میں نہیں آیا جس نے استغفار کی حقیقت سے مُنہ پھیرا اور اس حقیقی چشمہ سے سرسبز ہونا نہ چاہا۔ ہاں سب سے زیادہ اس سرسبزی کو ہمارے سید و مولیٰ ختم المرسلین فخر الاوّلین والآخرین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا اِس لئے خدا نے اُس کو اس کے تمام ہم منصبوں سے زیادہ سرسبز اور معطر کیا۔

(نور القرآن حصہ اوّل صفحہ ۱۹ تا ۲۱)

اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں نہایت درجہ کا یہ جوش تھا کہ مَیں اپنی زندگی میں اِسلام کا زمین پر پھیلنا دیکھ لوں اور یہ بات بہت ہی ناگوار تھی کہ حق کو زمین پر قائم کرنے سے پہلے سفرِ آخرت پیش آوے۔ خدا تعالیٰ اِس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دیتا ہے کہ دیکھ مَیں نے تیری مُراد پوری کر دی اور کم و بیش اِس مُراد کا ہر یک نبی کو خیال تھا مگر چونکہ اس درجہ کا جوش نہیں تھا اِس لئے نہ مسیح کو اور نہ موسیٰ کو یہ خوشخبری ملی بلکہ اس کو ملی جس کے حق میں قرآن نے فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ[2] یعنی کیا تُو اس غم سے ہلاک ہو جائے گا کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ (نور القرآن نمبر ۱ صفحہ ۱۹ حاشیہ)

---

[1] سورۃ ابراھیم: ۲۵ [2] سورۃ الشعراء: ۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت ایسے وقت میں آئے تھے جس وقت میں ایک سچے اور کامل نبی کو آنا چاہیئے پھر جب ہم دوسرا پہلو دیکھتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کس وقت واپس بُلائے گئے تو قرآن صاف اور صریح طور پر ہمیں خبر دیتا ہے کہ ایسے وقت میں بُلانے کا حکم ہوا کہ جب اپنا کام پورا کر چکے تھے یعنی اس وقت کے بعد بُلائے گئے جب کہ یہ آیت نازل ہو چکی کہ مسلمانوں کے لئے تعلیم کا مجموعہ کامل ہو گیا اور جو کچھ ضروریاتِ دین میں نازل ہونا تھا وہ سب نازل ہو چکا اور نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی خبر دی گئی کہ خدا تعالیٰ کی تائیدیں بھی کمال کو پہنچ گئیں اور جوق درجوق لوگ اِسلام میں داخل ہو گئے اور یہ آیتیں بھی نازل ہو گئیں کہ خدا تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ کو اُن کے دلوں میں لکھ دیا اور فسق وفجور سے انہیں بیزار کر دیا اور پاک اور نیک اَخلاق سے وہ متّصف ہو گئے اور ایک بھاری تبدیلی اُنکے اَخلاق اور چلن اور رُوح میں واقع ہو گئی تب ان تمام باتوں کے بعد سُورۃ النصر نازل ہوئی جس کا ماحصل یہی ہے کہ نبوّت کے تمام اغراض پورے ہو گئے اور اسلام دلوں پر فتحیاب ہو گیا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر اعلان دے دیا کہ یہ سُورت میری وفات کی طرف اشارہ کرتی ہے بلکہ اس کے بعد حج کیا اور اس کا نام حجۃ الوداع رکھا اور ہزار ہا لوگوں کی حاضری میں ایک اُونٹنی پر سوار ہو کر ایک لمبی تقریر کی اور کہا کہ سُنو۔ اے خدا کے بندو۔ مجھے میرے رَبّ کی طرف سے یہ حکم ملے تھے کہ تا میں یہ سب احکام تمہیں پہنچا دوں پس کیا تم گواہی دے سکتے ہو کہ یہ سب باتیں مَیں نے تمہیں پہنچا دیں تب ساری قوم نے بآوازِ بلند تصدیق کی کہ ہم تک یہ سب پیغام پہنچائے گئے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اے خدا اِن باتوں کا گواہ رہ اور پھر فرمایا کہ یہ تمام تبلیغ اِس لئے مکرّر کی گئی کہ شاید آئندہ سال مَیں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا اور پھر دوسری مرتبہ تم مجھے اِس جگہ نہیں پاؤ گے۔ تب مدینہ میں جا کر دوسرے سال میں فوت ہو گئے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

(نور القرآن ۱ صفحہ ۲۴ تا ۲۸)

یہ سُورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قُرب زمانۂ وفات میں نازل ہوئی تھی اور اس میں اللہ تعالیٰ زور دیکر اپنی نصرت اور تائید اور تکمیل مقاصدِ دین کی خبر دیتا ہے کہ اَب تو اے نبی خدا کی تسبیح کر اور تحمید کر اور خدا سے مغفرت چاہ۔ وہ توّاب ہے۔ اِس موقع پر مغفرت کا ذکر کرنا یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَب کام تبلیغ ختم ہو گیا خدا سے دعا کر کہ اگر خدمت تبلیغ کے دقائق میں کوئی فروگذاشت ہوئی ہو تو خدا اس کو بخش دے۔ موسیٰ بھی توریت میں اپنے قصوروں کو یاد کر کے روتا ہے اور جس کو عیسائیوں نے خدا بنا رکھا ہے کسی نے اُس کو کہا کہ اے نیک اُستاد۔ تو اُس نے جواب دیا کہ تُو مجھے کیوں نیک کہتا ہے نیک کوئی نہیں مگر خدا۔ یہی تمام اَولیاء کا شعار رہا ہے۔ سب نے استغفار کو اپنا شعار قرار دیا ہے بجز شیطان کے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸)

ایک اَور آیت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار ہمیشہ گزشتہ گناہوں کے لئے نہیں ہوتا وہ یہ ہے

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۔ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔ اِس آیت میں خداوند تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کی تاکید کرتا ہے۔ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تھوڑے ہی دن پہلے اُتری۔ اَب اِس آیت کے ساتھ یہ آیت ملاؤ۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ[1] یہ آیت فتح مکہ کے وقت اُتری اِس لئے یہ آیت اوّل الذکر آیت سے بہت پہلے کی ہے۔ عیسائی اِس آیت کا اِس طرح ترجمہ کرتے ہیں "ہم نے تجھے ایک صریح فتح دی تاکہ ہم تیرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیں"۔ یہ عیسائیوں کا ترجمہ ہے اِس لئے عیسائیوں کو ماننا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے فتح مکّہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کُل اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے تھے۔ اب جب خداوند تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے تو پھر خداوند تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو کیوں استغفار کی تاکید کی۔ اگر ہم عیسائیوں کے ترجمہ کو بھی مان لیں تو ہمیں نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے گناہ معاف کرنے کے بعد استغفار کی تاکید کی تو وہ استغفار گزشتہ سرزدشدہ گناہوں کے لئے نہیں تھا کیونکہ آپؐ کے گناہ تو سارے معاف ہو چکے تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ خداوند تعالیٰ اوّل سارے گناہوں کو معاف کر دے اور پھر اس کے بعد اس کے گناہوں کی معافی منگوائے۔ پس عیسائیوں کو ماننا چاہیئے کہ یہاں وَاسْتَغْفِرْهُ کے معنے یہ نہیں کہ گناہوں کے لئے معافی مانگ بلکہ یہاں استغفار کے معنے خداوند تعالیٰ سے قوّت طلب کرنا ہیں تاکہ وہ رُوحانی منزل کے طے کرنے میں طاقت بخشے۔ سیاقِ کلام بھی اِس معنے کی تائید کرتا ہے اِس سُورۃ میں (یعنی النّصر میں) خداوند تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل کامیابی کا ذکر کرتا ہے اور آپؐ کے قُربِ موت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ زندگی کے باقی دنوں میں صرف دعا میں لگ جاؤ۔

(ریویو آف ریلیجنز جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۲۴۴، ۲۴۵)

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ یعنی جب خدا کی فتح اور نصرت آوے گی۔

(ریویو آف ریلیجنز جلد ۳ نمبر ۶ صفحہ ۲۰۲)

اِس میں اِس امر کی طرف صریح اشارہ ہے کہ آپؐ اُس وقت دُنیا میں آئے جب دینِ اللہ کو کوئی جانتا بھی نہ تھا اور عالمگیر تاریکی چھائی ہوئی تھی اور گئے اُس وقت جبکہ اِس نظارہ کو دیکھ لیا کہ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا جب تک اس کو پُورا نہ کر لیا نہ تھکے نہ ماندہ ہوئے۔ مخالفوں کی مخالفتیں۔ اعداء کی سازشیں اور منصوبے قتل کرنے کے مشورے۔ قوم کی تکلیفیں آپؐ کے حوصلہ اور ہمت کے سامنے سب ہیچ اور بیکار تھیں اور کوئی ایسی چیز نہ تھی جو اپنے کام سے ایک لمحہ کے لئے بھی روک سکتی! اللہ تعالیٰ نے اُس وقت تک زندہ رکھا جب تک کہ آپؐ نے وہ کام نہ کر لیا

---

[1] سورۃ الفتح: ۲، ۳

جس کے واسطے آئے۔ یہ بھی ایک سِرّ ہے کہ خدا کی طرف سے آنے والے جھوٹوں کی طرح نہیں آتے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲ مورخہ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ فتح عظیم جس کا آپؐ کے ساتھ وعدہ تھا حاصل کر چکے تھے۔ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا دیکھ چکے تھے۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۱۴ مورخہ ۱۷ر اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۷)

نبی بہت بڑی ذمہ داری لے کر آتا ہے اِس لئے جب وہ اپنے کام کو کر چکتا ہے اور تبلیغ کر کے رخصت ہونے کو ہوتا ہے تو وہ وقت اس کا گویا خدا تعالیٰ کو چارج دینے کا ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ جس پر اپنا فضل کرتا ہے اس پر استغفار کا لفظ بولتا ہے۔ اس طریق کے موافق رسول اللہؐ کو بھی ارشادِ الٰہی ہوتا ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا خدا تعالیٰ ہر ایک نقص سے پاک ہے اور جو کچھ سہو بشریت کی رُو سے اِس ذمہ داری کے کام میں ہوا ہے..... تو اس سے استغفار چاہو۔ جس کے سپرد ہزاروں کام ہوں اس کے لئے ضروری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مقاصد عظیم الشان لے کر آئے تھے۔ غرض یہ ایک چارج تھا جو آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیا اور جس میں آپؐ کی پوری کامیابی کی طرف پہلے اشارہ کر دیا۔ اور یہ سورۃ گویا آنحضرتؐ کی وفات کا ایک پروانہ تھا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ انبیاء کی زندگی اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک مصائب کا زمانہ رہے اس کے بعد جب فتح و نصرت کا وقت آتا ہے تو وہ گویا اُن کی وفات کا پروانہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کام کو کر چکے ہوتے ہیں جس کے لئے بھیجے جاتے ہیں اور اصل تو یہ ہے کہ کام تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتے ہیں مفت میں ثواب لینا ہوتا ہے۔ جو شخص اس میں بھی خود غرضی، سُستی، ریا کی آمیزش کرے وہ اصل ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۶ مورخہ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۶)

مخالف مامور کی عمر کو بڑھاتے ہیں اور وہ گویا سلسلہ نبوت کی رونق کا باعث ہوتے ہیں ان کی مخالفت سے تحریک پیدا ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے۔ جب مخالفت اُٹھ جاتی ہے تو گویا مامور بھی اپنا کام کر چکتا ہے اور وہ فتحیاب ہو کر اُٹھایا جاتا ہے۔

دیکھو جب کفارِ مکہ کی مخالفت کا زور شور رہا اس وقت تک بڑے بڑے اعجاز ظاہر ہوئے لیکن جب اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کا وقت آیا اور یہ سُورۃ اُتری تو گویا آپؐ کے اِنتقال کا وقت قریب آ گیا۔ فتح مکہ کیا تھی آپؐ کے اِنتقال کا ایک مقدمہ تھی۔ غرض ان مخالفانہ تحریکوں سے بڑے بڑے فائدے ہوتے ہیں اور ہماری جماعت ان مخالفوں ہی میں سے نکل کر آئی ہے اور اگر یہ مخالفت نہ ہوتی تو اس زور شور سے تحریک اور تبلیغ نہ ہوتی۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۷)

دیکھو اللہ تعالیٰ نے بعض کا نام سابق مہاجر اور انصار رکھا ہے اور اُن کو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ

رَضُوْا عَنْہُ[1] میں داخل کیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور جو بعد میں ایمان لائے ان کا نام صرف ناس رکھا ہے جیسے فرمایا اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۝ یہ لوگ جو اسلام میں داخل ہوئے اگرچہ وہ مسلمان تھے مگر ان کو وہ مراتب نہیں ملے جو پہلے لوگوں کو دیئے گئے اور پھر مہاجرین کی عزت سب سے زیادہ تھی کیونکہ وہ لوگ اس وقت ایمان لائے جب ان کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کامیابی ہوگی یا نہیں بلکہ ہر طرف سے مصائب اور مشکلات کا ایک طوفان آیا ہوُا تھا اور کفر کا ایک دریا بہتا تھا خاص مکہ میں مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی اور مسلمان ہونے والوں کو سخت اذیتیں اور تکلیفیں دی جاتی تھیں مگر انہوں نے ایسے وقت میں قبول کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوُا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بڑی بڑی تعریفیں کیں اور بڑے بڑے انعامات اور فضلوں سے نوازا..... پس ہر ایک کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جو اس بات کا انتظار کرتا ہے کہ فلاں وقت آئے گا اور انکشاف ہوگا تو مان لیں گے وہ کسی ثواب کی امید نہ رکھے۔ ایسا تو ضرور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سب حجاب دُور کر دے گا اور اس معاملہ کو آفتاب کی طرح کھول کر دکھا دے گا مگر اس وقت ماننے والوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پیغمبروں کو ماننے والوں میں ثواب اوّلون کو سب سے بڑھ کر ملا ہے اور انکشاف کا زمانہ تو ضرور آتا ہے لیکن آخر اُن کا نام ناس ہی ہوتا ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۲،۳)

قاعدہ کی بات ہے کہ محبت اور ایمان کے لئے اسباب ہوتے ہیں مسیح کی زندگی پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ ساری عمر دھکے کھاتے رہے۔ صلیب پر چڑھنا بھی مشتبہ رہا۔ ادھر ایک لمبا سلسلہ عمر اور سوانح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھو کہ کیسی نصرتِ الٰہی شامل رہی۔ ہر ایک میدان میں آپؐ کو فتح ہوئی۔ کوئی گھڑی یاس کی آپؐ پر گذری ہی نہیں یہاں تک کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ کا وقت آگیا۔ ان تمام نصرتوں میں کوئی حصہ بھی حضرت مسیح کا نظر نہیں آتا اس لئے صاف ثابت ہے کہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا سے زیادہ ہونہ کہ مسیح کی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے انعامات بکثرت ہیں اور اس لئے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہو سکتی ہے کہ وہ آسمان پر زندہ ہوں۔ جو شخص نظارۂ قدرت زیادہ دیکھتا ہے وہی زیادہ فریفتہ ہوُا کرتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۹ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دُنیا میں آنا اور پھر وہاں سے رخصت ہونا قطعی دلیل آپؐ کی نبوت پر ہے۔ آئے آپؐ اُس وقت جبکہ زمانہ ظَہَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[2] کا مصداق تھا اور ضرورت ایک نبی کی تھی۔ ضرورت پر آنا بھی ایک دلیل ہے اور آپؐ اُس وقت دُنیا سے رخصت ہوئے جب اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ کا آوازہ

[1] سورۃ المائدۃ : ۱۲۰ [2] سورۃ الروم : ۴۲

دیا گیا۔ اِس میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ آپ کس قدر عظیم الشان کامیابی کے ساتھ دُنیا سے رُخصت ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تُو نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ فوج در فوج لوگ داخل ہو رہے ہیں فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ یعنی وہ رب جس نے اس قدر کامیابی دکھلائی اس کی تسبیح و تحمید کر اور انبیاء پر جو انعامات پوشیدہ رہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کھول دئیے گئے اور رحمت کے تمام امور اعلیٰ کر دئیے اور کوئی بھی مخفی نہ رکھا۔ اس حمد کا ثبوت اس آخری وقت پر آ کر دیا۔ احمد کے معنے ہیں حمد کرنے والا۔

دُنیا میں کوئی آدمی بھی ایسا نہیں آیا جو اتنی بڑی کامیابی اپنے ساتھ رکھتا ہو۔ لذت و سرور کی موت اگر ہوئی ہے تو فقط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہوئی ہے اور دوسرے کسی نبی کو بھی میسّر نہیں ہوئی۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اِس لئے آپ کی عصمت کا یہ ایک بڑا ثبوت ملتا ہے جیسے طبیب اُسے کہتے ہیں جو علاج کر کے مریض کو اچھا کر کے دکھلا دیوے ویسے ہی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے ہر ایک روحانی مرض کا علاج کر کے آپ نے دکھلا دیا اور اِسی لئے دوسری تمام نبوتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ہی معلوم ہوتی ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۷ر جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰)

اسی حمد کا ثبوت اَب اسی آخری وقت میں آکر دیا ہے کہ ایک احمد آیا۔ احمد کے معنے ہیں حمد کرنے والا۔ کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ہے جو ثابت کرے کہ اِس قدر کامیابی کسی اَور کو ہوئی ہو۔ خوشی، پوری مرادمندی اور لذّت کی موت اگر حاصل ہوئی ہے تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی ہے اَور کسی نبی کو ہرگز نہیں ہوئی یہ خدا کا فضل ہے۔ اِس سے پتہ لگتا ہے کہ نفس ایسا پاک تھا کہ خدا کا اِس قدر فضل ہوا اور آپ کی عصمت کا یہ ایک بڑا ثبوت ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۷ر جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۰۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اُس وقت ہوئی کہ زمانہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[1] کا مصداق تھا اور گئے اس وقت جبکہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی سَند آپ کو مِل گئی پس اگر آپ کو کامیابی نہ ہوتی لیکن آپ کِسی کے ہاتھ سے قتل بھی نہ ہوتے تو اس سے کیا فائدہ تھا؟ اور یہ کونسا مقامِ فخر کا ہے۔ ہاں جب ایک شخص سلطنت قائم کرتا ہے اور اپنے قائمقام مظفّر و منصور چھوڑتا ہے تو کیا پھر دشمن کی خوشی کا موجب ہو سکتا ہے؟ بڑی سے بڑی ذِلّت یہ ہے کہ ناکامی اور نامرادی کی موت آوے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کامیابی کی حالت میں قتل کئے جاتے تو اس سے آپ کی شان میں کیا حَرف آسکتا تھا؟ یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دی گئی تھی۔ آپ کی موت میں اس زہر کا بھی دخل تھا مگر ہم کہتے ہیں کہ جب آپ کی موت ایسی حالت

---

[1] سورۃ الروم: ۴۲

میں ہوئی کہ کافر اس بات سے نا امید ہوگئے کہ ان کا دین پھر عَود کرے گا تو ایسی حالت میں اگر آپؐ زہر یا قتل سے مَرتے تو کونسی قابلِ اعتراض بات تھی؟ دین تو تباہ نہیں ہوسکتا تھا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۳ مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۵۸،۲۵۷)

تم خود ہی سوچو اور مکّہ کے اس انقلاب کو دیکھو کہ جہاں بُت پرستی کا اِس قدر چرچا تھا کہ ہر ایک گھر میں بُت رکھا ہوا تھا۔ آپؐ کی زندگی ہی میں سارا مکّہ مسلمان ہوگیا اور ان بُتوں کے پُجاریوں ہی نے ان کو توڑا اور ان کی مذمّت کی۔ یہ حیرت انگیز کامیابی، یہ عظیم الشان انقلاب کسی نبی کی زندگی میں نظر نہیں آتا جو ہمارے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلم نے کرکے دکھایا۔ یہ کامیابی آپؐ کی اعلیٰ درجہ کی قوّتِ قدسی اور اللہ تعالیٰ سے شدید تعلقات کا نتیجہ تھا۔

ایک وہ وقت تھا کہ آپؐ مکّہ کی گلیوں میں تنہا پھرا کرتے تھے اور کوئی آپؐ کی بات نہ سُنتا تھا۔ پھر ایک وقت وہ تھا جب آپؐ کے اِنقطاع کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یاد دلایا اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ فوج در فوج لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ جب یہ آیت اُتری تو آپؐ نے فرمایا کہ اِس سے وفات کی بُو آتی ہے کیونکہ وہ کام جو مَیں چاہتا تھا وہ تو ہوگیا ہے اور اصل قاعدہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اسی وقت تک دُنیا میں رہتے ہیں جبتک وہ کام جس کے لئے وہ بھیجے جاتے ہیں نہ ہولے۔ جب وہ کام ہو چُکتا ہے تو اُن کی رحلت کا زمانہ آجاتا ہے جیسے بندوبست والوں کا جب کام ختم ہوجاتا ہے تو وہ اس ضلع سے رُخصت ہوجاتے ہیں۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۵ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۳)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ماننے والوں کا نام سابقین رکھا ہے لیکن جب بہت سے مسلمان فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے تو ان کا نام صرف نَاس رکھا گیا جیسے فرمایا اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ حقیقت یہی ہے کہ جب حق کُھل جاتا ہے پھر انکار کی گنجائش نہیں رہتی جیسے جب دِن چڑھا ہوا ہو تو پھر بجُز شپّر کے کون انکار کرے گا۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۱۱ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۲)

کھانسی جب شدّت سے ہوتی ہے تو بعض وقت دَم گُھٹنے لگتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جان کندن کی سی حالت ہے۔ چنانچہ اس شدّتِ کھانسی میں مجھے اللہ تعالیٰ کی غناء ذاتی کا خیال گذرا اور مَیں سمجھتا تھا کہ اب گویا موت کا وقت قریب ہے۔ اس وقت الہام ہوا

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ

اِس کے یہ معنے سمجھائے گئے کہ ایسا خیال اس وقت غلط ہے بلکہ اس وقت جب اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کا نظارہ دیکھ لو اُس وقت تو کُوچ ضروری ہوجاتا ہے۔سب کے لئے یہی اصول ہے کہ جب وہ کام جس کے لئے اُس کو بھیجا جاتا ہے ختم ہو جاتا ہے تو پھر وہ رخصت ہو جاتا ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۶ مورخہ ۱۷ر فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۶)

طاعون ہمارے لئے کام کر رہی ہے۔ اگر اس گروہ میں ایک شہید ہوجاتا ہے تو اس کے قائم مقام ہزار نکل آتے ہیں۔یہ نادانوں کا شُبہ فضول ہے کہ کیوں مَرتے ہیں۔ہم کہتے ہیں صحابہؓ جنگ میں کیوں شہید ہوتے تھے؟ کِسی مولوی سے پوچھو کہ وہ جنگ عذاب تھی یا نہیں۔ ہر ایک کو کہنا پڑے گا کہ عذاب تھی۔ پھر ایسا اعتراض کیوں کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جا پڑتا ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ پھر نشان مُشتبہ ہو جاتا ہے ہم کہتے ہیں کہ نہیں نشان مُشتبہ نہیں ہوتا اِس واسطے کہ انجام کار کفار کا ستیاناس ہوگیا اور ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا اور اِسلام ہی اِسلام نظر آتا تھا چنانچہ آخر اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ کا نظارہ نظر آگیا۔اِسی طرح پر طاعون کا حال ہے۔اس وقت لوگوں کو تعجب معلوم ہوتا ہے اور وہ اعتراض کرتے ہیں لیکن ایک وقت آتا ہے جب طاعون اپنا کام کرکے چلی جائے گی اُس وقت معلوم ہوگا کہ اُس نے کس کو نفع پہنچایا اور کون خسارہ میں رہے گا۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۱۸ مورخہ ۳۱ر مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۳)

چونکہ ان (انبیاء) کی معرفت بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جبروت کے مقام کو شناخت کرتے ہیں اِس لئے نہایت انکسار اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔نادان جن کو اس مقام کی خبر نہیں ہے وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کمال معرفت کا نشان ہوتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ آیا ہے۔اِس میں صاف فرمایا ہے تُو استغفار کر۔اِس سے کیا مراد ہے۔اِس سے یہی مراد ہے کہ تبلیغ کا جو عظیم الشّان کام تیرے سپرد تھا دقائق تبلیغ کا پورا پورا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اِس لئے اگر اس میں کوئی کمی رہی ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف کردے۔یہ استغفار تو نبیوں اور راست بازوں کی جان بخش اور عزیز بخش چیز ہے۔اب اِس پر نادان اور کوتاہ اندیش اعتراض کرتے ہیں۔جہاں استغفار کا لفظ انہوں نے سُن لیا جھٹ اعتراض کر دیا حالانکہ اپنے گھر میں دیکھیں تو مسیح کہتا ہے مجھے نیک مت کہہ۔اِس کی تاویل عیسائی یہ کرتے ہیں کہ مسیح کا منشاء یہ تھا کہ مجھے خدا کہو۔یہ کیسے تعجب کی بات ہے۔کیا مسیح کو ان کی والدہ مریم یا اُن کے بھائی خدا کہتے تھے جو وہ یہی آرزو اس شخص سے رکھتے تھے کہ وہ بھی خدا کہے۔انہوں نے یہ لفظ تو اپنے عزیزوں اور شاگردوں سے بھی نہیں سُنا تھا۔وہ بھی اُستاد اُستاد ہی کرتے تھے پھر یہ آرزو اس غریب سے کیونکر ان کو ہوئی۔ کیا وہ خوش ہوتے تھے کہ

کوئی انہیں خدا کہے یہ بالکل غلط ہے اُن کو نہ کسی نے خدا کہا اور نہ انہوں نے کہلوایا۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۸ مورخہ ۱۰ اراگست ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

ہم کو وہ مشکلات پیش نہیں آئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے جب تک پورے کامیاب نہیں ہوگئے اور آپؐ نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کا نظارہ دیکھ نہ لیا۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۳ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کروڑ معجزوں سے بڑھ کر معجزہ تو یہ تھا کہ جس غرض کے لئے آئے تھے اُسے پُورا کر گئے۔ یہ ایسی بے نظیر کامیابی ہے کہ اس کی نظیر کسی دوسرے نبی میں کامل طور سے نہیں پائی جاتی۔ حضرت موسیٰؑ بھی رستے ہی میں مَر گئے اور حضرت مسیحؑ کی کامیابی تو اُن کے حواریوں کے سلوک سے ہویدا ہے۔ ہاں آپؐ کو ہی یہ شان حاصل ہوئی کہ جب گئے تو وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا یعنی دین اللہ میں فوجوں کی فوجیں داخل ہوتے دیکھ کر۔ (بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ مورخہ ۹ رمئی ۱۹۰۷ء صفحہ ۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت مبعوث ہوئے تھے جب فسق وفجور، شرک اور بُت پرستی اپنے انتہاء کو پہنچ چکی تھی اور ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (۳۰/۴۲) والا معاملہ ہو رہا تھا اور گئے اُس وقت تھے جب وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا والا نظارہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا تھا اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کی نظیر تمام دُنیا میں نہیں پائی جاتی اور یہی تو کاملیت ہے کہ جس مقصود کے لئے آئے تھے اس کو پورا کر کے دکھا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صلیب کا ہی مُنہ دیکھتے پھرے اور یہودیوں سے رہائی نہ پا سکے مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب ہو کر وہ اخلاق دکھائے جن کی نظیر نہیں ملتی۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۹ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۶)

.....شیعہ لوگ جس راہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں اُس راہ سے تو نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا مذہب ہی برباد ہو جاتا ہے۔ دیکھو اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ اِس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دینِ الٰہی یعنی اسلام میں بہت کثرت اور جُھات سے لوگ شامل ہوں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عینِ حیات میں ہی ایسا ظہور میں آوے گا۔ بھلا اِن لوگوں سے کوئی پوچھے کہ کیا دو چار آدمیوں کا نام ہی افواج ہے اور کیا یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی لمبی محنت اور جانکاہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ افسوس۔ دیکھو فوج ہی کچھ کم نہیں ہوتی یہاں تو اللہ تعالیٰ نے فوج کی بھی جمع کا لفظ بولا ہے اور اَفْوَاجًا کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فوجوں کی فوجیں داخلِ اسلام ہو جاویں گی۔

ان لوگوں کے عقائد کے لحاظ سے تو قرآن شریف ہی کی تکذیب لازم آتی ہے۔ انہوں نے قرآن شریف کو تو محرّف مبدّل کا الزام دے کر چھوڑ دیا۔ رہے قرآن شریف کے پہنچانے والے جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ فرمایا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کا وارث بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلی ہوئی پیشگوئیوں کی تصدیق کرنے والے اور پورا کرنے والے بتایا۔ انہی کے ہاتھ سے بڑے بڑے قرآنی وعدے پُورے کئے۔ قیصر و کسریٰ کے تخت اور خزانے انہی کے ذریعہ اسلام کا ورثہ بنائے سو ان کو غدّار، ظالم، منافق اور غاصب کا لقب دے کر چھوڑ دیا۔ ان کا تو وہ حال ہے جس طرح ایک عورت کو جب اسکے دن حمل کے پُورے ہو چکتے ہیں تو دردِ زِہ شروع ہوتا ہے جس کی تکلیف سے وہ اور اس کے عزیز و اقارب اور خویش روتے اور دَردمند ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک تاریک حالت ہوتی ہے نتیجہ کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ مگر جب اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو جاوے اور وہ چلّہ پورا کر کے غسلِ صحت بھی کر لے اور بچّہ بھی اس کا صحیح سالم جیتا جاگتا ہو اس وقت لگے کوئی آدمی رونے تو اُس کا رونا کیسا بے محل اور بے موقع ہو گا۔

سو یہی حال ہے ان کا۔ وقت گذر چکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کامیابی کے ساتھ تختِ خلافت کو مقررہ وقت تک زیب دے کر اپنی اپنی خدمات بجا لا کر بڑی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی رضوان لے کر چل بسے اور جنّات و عیون جو آخرت میں ان کے واسطے مقرر تھے اور وعدے تھے وہ ان کو عطا ہو گئے۔ اب یہ روتے ہیں اور چلّاتے ہیں کہ نعوذ باللہ ایسے تھے اور ایسے تھے۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۰ مورخہ ۲۲ر مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)